

اگر ریشمی رومال افغانستان پہنچ جاتا

الہندیا اقبال

آزادی کی قیمت

جست

اسلاف نے متاعِ زندگی بچھا کر دی
مگر ہم نے سات کروڑ مسلمانوں کو غلامی کا طوق پہنا دیا

★

محرک بالاکوٹ اور انقلاب ۱۹۵۷ء کے بعد آزادی ہند کے لئے تیسری سب سے بڑی نظم اور
موشہ تحریک "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے موسوم ہوئی۔ اس موشہ نکال جہد و بہد کی سب سے مثال
منسوبہ ہندی کا سہرا بھی تاریخی روایات کے مطابق علامتِ حق کے سر پہ تھا۔ اگر یہ تحریک کامیاب
ہو جاتی تو غیر منقسم برصغیر کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ آج بھی آزادی کی تڑپ رکھنے والے حریت پسند
سوچتے ہیں کہ..... اگر ریشمی رومال افغانستان پہنچ جاتا۔

سولہویں صدی کا حیدرآباد (سندھ) ہے۔ قدیم طرز کے مکان میں ایک شخص بچے پرانے
کپڑوں میں ملبوس سوئی رہا گاٹھے ایک زرو رنگ کا رومال جس کی لمبائی ایک گز ہے اور عرض بھی اتنا
ہی ہے گڈڑی میں ہی رہا ہے۔ وضع قطع اور صورتِ شکل سے درویشِ نظر آتا ہے۔ اچانک ایک
دھماکا سا ہوتا ہے، وہ سر اٹھا کر دیکھتا ہے، چند گور سے اور سبکھ فوجی صحن کی دیواریں بھانڈ کر اسکی
طرف پلکے آ رہے ہیں وہ گڈڑی اٹھا کر کمرے کے پچھلے دروازے کی طرف بھاگنے لگتا ہے لیکن فوجی
سر پہ پہنچ جاتے ہیں اور اس سے گڈڑی چھین لیتے ہیں۔ وہ شخص ان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور صحن
میں پہنچ کر دیوار بھانڈ دیتا ہے۔ چند فوجی اس کے پیچھے جاتے ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہاتھ ملتے ٹوٹ
آتے ہیں۔

یہ درویش آزادی ہند کی انقلابی لڑائی کے سرگرم اور سرفروش رکن اور پارٹی کے قائد شیخ الہند
حضرت مولانا محمد الحسن کے قابلِ اعتماد پیرو کار شیخ عبد الرحیم تھے۔ اپار یہ کہ پلائی کے حقیقی بھائی اور
مولانا عبید اللہ سندھی کے ہاتھ پر سلفۃ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔
پارٹی کا مرکزی دفتر پہلے دیوبند میں تھا۔ بعد میں وہاں منتقل کیا گیا۔ تحریک کا نام جس کی بناء پر

پارٹی تشکیل دی گئی تھی، پہلے ثمرۃ الترمذیہ اور پھر جمعیت الانصار رکھا گیا تھا۔ اس کا پروگرام یہ تھا کہ حکومتِ وقت کے خلاف ملک بھر میں عام بغاوت کرائی جائے اور ساتھ ہی شمال مغربی سرحد کی طرف سے قبائل اور ترکی کی فوج سے حملہ کرایا جائے اس طرح ملک کو فرنگی استبداد سے آزاد کرنا تھا منصوبے کے مطابق ترکی کی فوج کو افغانستان کے راستے حملہ آور ہونا تھا، اس لئے افغانستان کی حکومت کو بھی جس کا سربراہ حبیب اللہ خان تھا۔ ہموار کرنا تھا۔ ترکی سے یہ سٹے کیا جا رہا تھا کہ اس کی فوج ہندوستان کو آزاد کرانے کی نیت ہائے گی۔ اس دو کے عوض آزاد ہندوستان اس کی اخلاقی اور مالی مدد کرتا رہے گا۔ ترکی کے حکمران غازی النور پاشا تھے۔

اس طریقہ کار پر عمل کرنے کے لئے دس جامع منصوبے ۱۹۰۵ء میں بنائے گئے تھے۔ ان کی تکمیل ۱۹۱۴ء میں ہوتی منصوبے یہ تھے: ہندو مسلم مکمل اتحاد، علمائے فکرِ قدیم اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اشتراکِ فکر و عمل، اقوامِ عالم سے اخلاقی مدد کا حصول جنگی نقشوں کی تیاری۔ انقلاب کے بعد عبوری حکومت کے قیام کی ترتیب، بغاوت کے خفیہ مرکزوں کا قیام، بیرون ملک امدادی مراکز کا تعین، ترکی کی حمایت کے لئے دوسرے ملکوں سے رابطہ، باہر سے حملے کے لئے راستوں کی نشاندہی بیک وقت بغاوت اور حملے کے لئے تاریخ کا تعین۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہندوستان کی آزادی کے لئے معرکہ بالاکوٹ ۱۸۳۱ء اور انقلاب ۱۸۵۷ء

کے خونچکاں اقدامات کے بعد یہ تیسری سرفروشانہ تحریک تھی جو تحریکِ ریشمی رومال کے نام سے تاریخ کے صفحات پر امنتِ نقشِ چھوڑ گئی پہلی تحریک مسلمانوں کے جابلانہ تحائف سے ناکام ہوئی، لیکن دوسری اور تیسری تحریکیں ان کے مجرمانہ عدم تعاون اور کھلے بندوں غداروں سے طیامیٹ ہوئیں۔ یہ ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے کہ تینوں تحریکیں میں بنیادی اور مرکزی کردار علمائے حق نے ادا کئے۔ انقلابِ ۱۸۵۷ء میں عام مسلمانوں کا حصہ زیادہ ہے۔ لیکن دوسری دونوں تحریکیں کا سہرا تمام تر علمائے حق کے سر ہے۔

تحریکِ ریشمی رومال کی کامیابی اپنوں کی متوجہ غداروں اور انگریزوں کے طے شدہ حفظِ ماتقدم کے باوجود یقینی تھی۔ وجہ یہ کہ بیرونی امداد کے امکانات دسترس میں تھے۔ ۱۸۵۷ء میں سامراجیت کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتھے سے براہِ راست حکومتِ برطانیہ کے ماتھے میں منتقلی کے بعد خارجی انگریز دشمنی کے دور کا آغاز ہو چلا تھا۔ بعید نہ تھا کہ یہ خارجی نیک نال داخلی جدوجہد کے لئے مدد و معاون ثابت برتا۔ برطانیہ کی ترویج پسندی کے پیشِ نظر ۱۸۵۷ء میں دو آف بحوثان پر قبضہ کیا گیا اور برما کے شمالی حصے کو فتح کر کے سلطنت میں شامل کیا گیا ۱۸۵۷ء میں تبت اور چین پر حملہ کیا گیا اور سرحد کے مجاہدین

پرفوج کشی ہوئی ۱۸۸۵ء میں کابل پر حملہ کیا گیا۔ ۱۸۹۰ء میں حکومت منی پور پر تسلط کیا گیا۔ ۱۸۹۵ء میں پتال پر قبضہ ہوا۔ ۱۸۹۶ء میں تیراہ پر حملہ کیا گیا۔ ۱۸۹۷ء میں دوبارہ سرحدی مہمیں کے خلاف چھ مہمیں بھیجی گئیں۔ بیرونی امداد کے سلسلے میں حکومت ترکی سے توقع کسی خوش فہمی اور جذباتیت کی بنا پر نہیں تھی اس کے پس منظر میں ٹھوس حقائق اور دلائل تھے۔ ترکی، برطانیہ کا زخم خوردہ تھا۔ اگر مذہب اور حریت پسندی ہندوستان اور ترکی میں قدر مشترک نہ ہوتی تب بھی سیاسی

طور پر ترکی کی طرف سے مدد لازمی تھی۔ ۱۸۳۹ء میں انگریزوں نے سلطان عبدالحمید خاں کو محمد علی کی بغاوت کے خلاف مدد دی اور اس کے عوض میں پہلے عدن کی بندرگاہ اور پھر سائے عدن پر قبضہ کر لیا اس قبضہ کی وجہ سے آنے والے برسوں میں جو نتائج نکلے وہ تصور میں لائے جاسکتے ہیں (اس دو کا سارا خرچ (بیس لاکھ پونڈ) ہندوستان کے ذمے قرض کے طور پر ڈالا گیا) ۱۸۵۷ء میں باسب علی سلطان عبدالحمید خاں سے خفیہ معاہدہ کر کے جزیرہ قبرص قبضے میں کیا گیا۔ اس کے بھی دور رس نتائج نکلے۔ اسی سال برلن میں یورپی ملکوں کی کانفرنس ہوئی جس میں ترکی کے حصے بخرے کر کے آپس میں بانٹ لئے گئے۔ برطانیہ بھی حصے دار بنا۔ ۱۸۵۷ء میں رومانیہ، بلغاریہ، کریٹ، سربیا، مولڈویا، ولاچیا، البانیہ، یونانی نیکرو اور ارضی گوریا کو ترکی کے قبضے سے نکلوا دیا۔ ۱۹۰۴ء میں برطانیہ کی شہ پر فرانس نے مراکش پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۰۸ء میں ترکی میں فوجی انقلاب رونما ہوا۔ یہ انقلاب فوجیوں کی تنظیم، اتحاد المسلمین نے

برپا کیا تھا جس کے قائد غازی انور پاشا تھے۔ بعد میں یہی حکومت کے سربراہ بنے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ بلفان میں ہندوستان کی حریت پسند تحریکیں نے ترکی کی براعلاق اور مالی مدد کی تھی، اسے انور پاشا بھولے نہیں تھے۔ اسی لئے تحریک ریشمی رومان کو ترکی کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی مدد غیر متوقع نہیں تھی۔ تحریک کے پہلے دو منصوبوں کے لئے فضا پہلے ہی سازگار تھی۔ ہندو اور مسلمان حریت پسندوں میں ذہنی ہم آہنگی اور اشتراک عمل کا جذبہ ایٹم بوم کی حکمت کے وقت ہی سے پیدا ہو چکا تھا۔ اور اس کا مظاہرہ بار بار خصوصاً ۱۸۵۷ء میں اور اس کے بعد ہو چکا تھا۔

تحریک کے عملی قائد شیخ الہند حضرت مولانا محمد حسن اور راجہ مہندر پرتاب تھے، لیکن اس کے پیام اور ساری مقصود بندی میں جن شخصیتوں کا ہاتھ تھا ان میں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبید اللہ سندھی، شکر گاندھی، ڈاکٹر انصاری، مرقی لال نہرو، لاجپت رائے اور راجندر پرشاد شامل تھے۔ اس کے علاوہ ۱۸۵۷ء کے ناکام انقلاب نے اعلیٰ تعلیم فرجوانوں کی ایک کھینچ ہٹا کر دی تھی جس کے دلوں میں حریت کی چنگاریاں مسلک رہی تھیں اور ذہن جدید

طبیعیاتی تقاضوں سے روشن تھے۔ ان نوجوانوں میں جن لوگوں کو اہم فرائض سونپے گئے، ان میں پروفیسر برکت اللہ ایم اے (انگریزی) تھے جنہیں ترکی، جرمنی اور جاپانی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ چوہدری رحمت علی گریجویٹ، لالہ پروال ایم اے، کامریڈ ستراسنگھ گریجویٹ، مولوی محمد علی قصوری گریجویٹ، میاں عبدالباری ایم اے، رام چندر گریجویٹ، بسنی سکس شیخ محمد ابراہیم ایم اے اور چینی زبان میں ماہر بنگال کے شوکت علی گریجویٹ وغیرہ شامل تھے۔

قیصری منصوبے کے تحت چین، جاپان، فرانس، برما اور امریکہ میں کام شروع کیا گیا۔ اس کے لئے مشنری طریقہ کار اپنایا گیا۔ پہلا مشن دیوبند سے فارغ التحصیل مولانا مقبول الرحمن سرحدی اور شوکت علی کی سرکردگی میں چین بھیجا گیا جس میں چھ اور افراد بھی شامل تھے۔ مشن میں ہندو ارکان بھی تھے، لیکن چین میں ایک مرکزی سیرت کمیٹی قائم کر کے ملک بھر میں اس کی شاخیں کھول دی گئیں۔ اردو اور چینی زبانوں میں ایک رسالہ "الیقین" جاری کیا گیا۔ ان کاموں میں مشن کو بڑی کامیابی ہوئی۔ مسلمانوں کی خاصی تعداد ہندوستان کی صورت حال سے متاثر ہوئی۔

اور انگریز سامراجیت سے بھٹکارا دلانے میں ہر ممکن اخلاقی مدد کا وعدہ کیا۔ ہر چند کہ چینی عوام خود ظلم و استبداد کی پکٹی میں پس رہے تھے، حکومت کی سطح پر کوئی نمایاں کام نہ ہو سکا کیونکہ ملک پر سامراجیت کے دوسرے روپ شہنشاہیت اور ہاگیر داری کا تسلط تھا۔ مشن نے اپنے اندراجات اس طرح پورے کئے کہ ایک شفاخانہ کھول لیا۔ مولانا مقبول الرحمن طبابت اور شوکت علی ڈاکٹری کرتے تھے۔

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۹ء تک چین میں کام کرنے کے بعد دونوں صاحبان کو برما جانے کا حکم ملا۔ مشن کے تین اراکین کو چین میں کام کی نگرانی کے لئے بھیج دیا گیا۔ شفاخانے کو فروخت کر کے ان کے گزارے کے لئے رقم دی گئی اور سفر خرچ بھی نکالا گیا۔ ایک آدمی کو واپس ہندوستان بھیجا گیا اور چار آدمی جن میں دو ہندو تھے، برما پہنچے۔ وہاں کپڑے کا کاروبار شروع کیا گیا جس میں کافی منافع ہوا۔ برما میں مذہبی طریقہ کار اپنانے سے کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی، لہذا انسانی رشتے کو مقصد کا حصول بنایا گیا اور انسانی ہمدردی کے نام سے ایک انجمن بنائی گئی جس کا منصب العین انسانی فلاح و بہبود بتایا گیا۔ مولانا مقبول الرحمن نے عربی زبان میں ایک کتاب "الانسان لکھی اور اس کا انگریزی اور بری زبانوں میں شوکت علی نے ترجمہ کیا۔ مشن ۱۹۱۶ء تک بڑی کامیابی سے اپنا کام کرتا رہا۔ اس نے ہزاروں افراد کو ہندوستان کے انسانی مسائل سمجھنے پر آمادہ کیا۔ ہندوستانیوں کی اخلاقی مدد کے لئے ایک مخلص حلقہ پیدا ہو گیا۔ شومنی مسرت سے ۱۹۱۶ء میں تحریک ناکام ہو گئی شوکت علی اور دونوں ہندو اراکین ہندوستان چلے

گئے اور مولانا مقبول الرحمن رنگون جا پہنچے (شوکت علی ہندوستان سے فرار ہو کر برلن چلے گئے اور مولانا مقبول الرحمن ۱۸۲۳ء میں وطن لوٹے)

دوسرا مشن جاپان بھیجا گیا، اس میں پانچ آدمی تھے اور قائد پروفیسر برکت اللہ تھے۔ انگریزی ترکی، جرمنی زبانوں کے علاوہ جاپانی زبان میں بھی مہارت رکھنے کی وجہ سے انہیں ٹوکیو کے ایک کالج میں پروفیسری مل گئی۔ مشن نے اسلامک فرٹیر نیٹ، کے نام سے ایک انجمن بنائی اور اسی نام سے انگریزی اور جاپانی زبانوں میں رسالہ نکالا جس کے مدیر پروفیسر صاحب تھے۔ ترکی کی طرح جاپان سے بھی بھرپور مدد کی توقع تھی کیونکہ جاپان، برطانیہ کے سخت خلاف تھا۔ اسی مخالفت کی بنا پر اس نئے دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ پر حملہ کیا تھا۔ مشن کو یہاں کامیابی سے ہمکنار ہوتا دیکھ کر ۱۹۱۰ء میں پروفیسر برکت اللہ کو چوہدری رحمت علی کی مدد کے لئے فرانس جانے کا حکم ملا جہاں چوہدری صاحب نے ملازمت چھوڑ دی، اخبار بند کر دیا اور ایک ساتھی کو لے کر فرانس کی طرف روانہ ہوئے

فرانس کے مشن میں چوہدری رحمت علی کے ساتھ دو آدمی تھے ان میں ایک گریجویٹ رام چند نہایت قابل نوجوان تھا۔ پروفیسر برکت اللہ نے انگریزی زبان میں ایک اخبار انقلاب جاری کیا اور تلمذ ہی سے کام کرنے لگے۔ یہ اخبار مشن کی تشکیل کردہ غدر پارٹی کا ترجمان تھا۔ رولٹ رپورٹ میں اخبار کا نام بھی غدر لکھا گیا ہے، جو غلط ہے۔ فرانس میں چھ سال تک کام ہوتا رہا۔ عوامی سطح پر غدر پارٹی کی بہت حوصلہ افزائی کی گئی اخلاقی مدد کے بھی روشن امکانات تھے لیکن حکومت کی طرف سے کوئی امید نہیں تھی۔ جو کچھ حاصل ہوا اسی پر اکتفا کر کے پروفیسر برکت اللہ اور چوہدری رحمت علی کو امریکہ جانے کا حکم ملا۔

امریکہ میں لابر ویال کی سربراہی میں چھ آدمیوں پر مشتمل مشن کام کر رہا تھا۔ پروفیسر صاحب اور چوہدری صاحب کی شمولیت سے تعداد آٹھ ہو گئی۔ یہاں بھی غدر پارٹی کام کر رہی تھی۔ ان دونوں حضرات کے آنے کے بعد پروفیسر صاحب کی ادارت میں غدر نام سے ایک اخبار نکالا۔ دراصل واشنگٹن کے اسی اخبار کا مغالطہ رولٹ کمیٹی کو ہوا تھا۔ چوہدری رحمت علی کی سکونت تو پیرس میں تھی لیکن وہ واشنگٹن آتے جاتے رہتے تھے اور وہاں کچھ زمین بھی خرید لی تھی۔ انہوں نے اسے بیچ کر ایک ہوٹل کھول لیا۔ اس کے ایک کمرے میں پارٹی کا اور دوسرے کمرے میں اخبار کا دفتر قائم کیا گیا۔ ہوٹل کی آمدنی سے اخراجات پورے ہوتے رہے، اور یہ پہلے لابر ویال اور پھر چوہدری صاحب کی نگرانی میں چلتا رہا۔ اس کے علاوہ پارٹی والوں نے رنگون کا کاروبار بھی شروع کر رکھا تھا۔ اس سے آمدنی بھی تھی اور وہی کے مرکز سے

رابطہ بھی قائم تھا۔ دہلی کے پاد مسلمان اور ہمیں ہندو، پشتاور کے دو مسلمان اور ایک ہندو، لاہور کے دو مسلمان اور پانچ ہندو، بمبئی کا ایک مسلمان اور چار ہندو، کلکتہ کے چار ہندو ایک مسلمان، ڈھاکہ کے دو ہندو ایک مسلمان اور کراچی کا ایک ہندو ان لوگوں سے مل منگاتے تھے۔ اور کاروبار کی آڑ میں مرکز کو رپڑ میں بھیجی اور ہدایات حاصل کی جاتی تھیں۔ ہندوستان میں تحریک کے ناکام ہونے کی خبر ملی تو ہٹلر فروخت کر دیا گیا اور اخبار بھی بند کر دیا گیا۔ مشن کے اراکین پیرس چلے گئے۔ وہاں سے جنیوا اور برلن ہوتے ہوئے افغانستان پہنچے اور وطن آگئے۔

انقلابیوں کا چوتھا منصوبہ جنگی نقشوں کی تیاری تھا۔ اس منصوبے کو تین شکلیں دی گئیں پہلی شکل مٹی بیرونی حملے کے لئے راستوں اور محاذوں کی تفصیلی نشاندہی کرنا۔ حملہ آور فوج کے لئے رسد رسانی اور اس کے اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطے اور انقلابی رضا کاروں سے رابطے کے لئے پیغام رسانی کا انتظام کرنا اور حملہ آور فوج کی نقل و حرکت کے لئے سہولت فراہم کرنا۔ دوسری شکل یہ تھی کہ سی آئی ڈی کے آدمیوں سے تعاون حاصل کیا جائے اور اس محکمے میں اپنے آدمی داخل کئے جائیں تاکہ حکومت کی پالیسیوں اور ارادوں کی خبر ملتی رہے۔ تیسری شکل مٹی فوج میں اپنے ہم خیال بنانا اور انقلابی کارکنوں کو فوج میں بھرتی کرنا تاکہ جب حملہ ہو تو دشمن کو سہوتاڑ کیا جاسکے۔

پہلا کام مولانا عبید اللہ سندھی کو سونپا گیا اور بمبئی کے شیخ محمد ابراہیم ایم اے کو ان کا مددگار بنایا گیا۔ مولانا نے شمال مغربی سرحد کے کئی دورے کئے، جغرافیائی پوزیشن کا بغاوت نظر معائنہ کیا، فوجی حربے سے آگاہی کے لئے انگریزی، ہونسی، ترکی، فرانسیسی اور عربی زبانوں کی کتابیں منگوا کر ان کا مطالعہ کیا، قدیم اور جدید طریقوں کو پرکھا، اور متواتر سات سال تک کام کرنے کے بعد جنگ اور اس کے محاذوں کا ایک فقید المثال نقشہ تیار کیا۔ ان کے مطالعے سے بعد میں ترکی، ہونسی اور افغان فوجی افسروں نے بھی استفادہ کیا۔ مولانا سے تربیت یافتہ نوجوانوں نے والی افغانستان امیر امان اللہ خاں اور انگریزوں کے مابین جنگ میں افغان فوج کی ناقابل فراموش رہنمائی کی۔

دوسرے کام کی سربراہی ڈاکٹر انصاری نے انجام دی۔ بہت سے ہندو اور مسلم نوجوان سی آئی ڈی میں گھس گئے اور حکومت کے راز قادیان تحریک تک پہنچاتے رہے۔ تحریک کی ناکامی کے بعد کئی نوجوان پکڑے گئے۔ اور پھانسی پر لٹکائے گئے۔ تیسری شکل کے تحت منتخب نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کر دیا گیا۔ انہوں نے حب الوطن فوجیوں کو اپنا ہم خیال بنایا۔ بعض پکڑے بھی گئے اور کچھ لوگ تحریک کی ناکامی کے بعد بھی رہے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران فوج سے نکل گئے۔ بعض ایسے بھی تھے جو

مستقل طور پر فوج میں رہے اور دوسری جنگ عظیم میں دوسرے افراد کو اپنے ساتھ ملا کر آزاد ہند فوج کے رتبہ میں سامنے آئے۔

پانچویں منصوبے کے تحت انقلاب کے بعد قائم ہونے والی عبوری حکومت کا خاکہ یہ بنایا گیا کہ ایک ہندو اور ایک مسلمان پر مشتمل ایک اعلیٰ اختیارات کی کونسل ہوگی۔ مسلمان رکن کے لئے شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کا نام تھا۔ ہندو رکن کا نام تحقیق طلب ہے۔ (سی آئی ڈی کی رپورٹ میں گاندھی جی بتایا گیا ہے۔ جو غالباً صحیح نہیں ہے۔) کونسل کے تحت صدر، وزیر اعظم، وزیر مملکت اور ان کے ماتحت کا بنیہ ہوگی۔ ان عہدوں کے لئے مجوزہ افراد علی الترتیب راجہ مہندر پرتاپ، پروفیسر برکت اللہ اور مولانا عبید اللہ سندھی تھے۔ انہی لوگوں کو کا بنیہ بنانا تھی۔ فوج کے کانڈر انجینئر کی حیثیت سے حضرت شیخ الہندؒ کا نام تھا۔ جرنیلوں کی تعداد بارہ رکھی گئی تھی۔

چھٹا منصوبہ بغاوت کے خفیہ مراکز کے قیام کا تھا۔ ہیڈ کوارٹر دہلی میں بنایا گیا، اس میں شیخ الہندؒ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبید اللہ سندھی، ڈاکٹر انصاری، گاندھی جی، پنڈت موتی لال نہرو، لالہ جیت رائے اور بابو راجندر پرشاد وغیرہم صنف اول کے لوگ تھے۔ ہیڈ کوارٹر کے تحت آخر شاخیں پانی پت (یوپی کے اضلاع) لاہور (پنجاب) رانڈیر (بھٹی گجرات) کاٹیا واڑ مہاراشٹر) کراچی (قلات لاس بلیہ وغیرہ) اتان زئی (شمالی سرحد) دین پور (بہاولپور) اور تریگٹ زئی (آزاد قبائل) امریشٹ (سندھ میں) کام کرتی تھیں۔ ان شاخوں کے امیر علی الترتیب مولانا احمد اللہ، مولانا محمد احمد، مولانا محمد ابراہیم، مولانا محمد صادق، خاں عبدالغفار خاں، مولانا غلام محمد، مولانا افضل داحد اور مولانا تاج محمد تھے۔ مرکز میں ہندو اراکین کی موجودگی کے باوجود کسی شاخ کا سربراہ ہندو نہیں تھا۔ ان میں سے صرف مولانا احمد اللہ اور مولانا محمد احمد نے گرفتار ہونے پر انگریزوں سے معافی مانگ لی تھی۔ بعض ذرائع کے مطابق شمال مغربی سرحد اور بنگال میں بھی شاخیں تھیں بنگال میں مولانا ریاض احمد اور شمال مغربی سرحد میں تین علماء کی مشترکہ کمان تھی۔ کہا جاتا ہے کہ چند سال بعد جب آزاد قبائل اور انگریزوں کی خونریز جھڑپیں ہوئیں اور انگریز فوج کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کیا، تو یہ اسی کمان کا کارنامہ تھا۔ ساتویں منصوبہ یعنی بیرون ملک امدادی مراکز کے قیام کی ہمت میں ہیڈ کوارٹر کابل میں تھا۔ یہاں سے سربراہ راجہ مہندر پرتاپ تھے۔ بعد میں مولانا سندھی ان سے جاملے اور دونوں نے مل کر کام کیا۔ اس ہیڈ کوارٹر کی شاخیں مدینہ منورہ، برین، استنبول، انقرہ اور قسطنطنیہ میں تھیں۔ برلن میں لالہ ہر دیال نے نمایاں کام کیا۔ ان کی کوشش سے جرمنی اور ترکی کا پکیٹ ہوا اور جرمنی ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ کابل کے ہیڈ کوارٹر نے فقیہ الممال کا زمانہ انجام دیا۔ امیر حبیب اللہ اور اس کے رٹ کے عنایت اللہ خاں کے

دو غلہ پن (جو بعد میں غداروں پر منتقل ہوا) کے باوجود تحریک کے آدمیوں کو افغانستان کی سیاست میں اتنا دخل حاصل ہو گیا کہ تحریک کی ناکامی کے بعد قائدین کے دوست اور ہمدرد افسروں نے امیر حبیب اللہ خاں کو قتل کروا کر اس کے بیٹے امان اللہ کو تخت پر بٹھایا جنہوں نے شروع سے تحریک کی اخلاقی اور مالی مدد کی تھی۔ انہوں نے تخت پر بیٹھتے ہی تحریک کے نظر بند قائدین کو رہا کر کے اپنے مشیر بنائے۔ قائدین تحریک ہی کے مشورے سے امان اللہ خاں نے انگریزوں سے دو دوا تھ کر کے اور ۲۳ اگست ۱۹۱۹ء کو افغانستان کو مکمل آزاد کرالیا۔ مولانا سندھی افغانستان میں چوری چھپے داخل ہوئے تھے تو فوج کے سپہ سالار نادر خاں نے قندھار میں ان کا پر جوش خیر مقدم کیا۔ حبیب قائدین تحریک کے ایما پر انگریزوں سے لڑنے کے بارے میں رائے معلوم کرنے کے لئے جرگہ بلایا گیا تو حبیب اللہ خاں اور عنایت اللہ خاں کے سوا سب لوگوں نے رائے دی کہ حق میں رائے دی۔ ان میں امان اللہ خاں اور ان کا بھائی نصر اللہ خاں پیش پیش تھے۔

آٹھواں منصوبہ یہ تھا کہ برطانیہ اور ترکی کی آویزش میں (وسیع تر مقصد یہ تھا کہ ترکی کے ہندوستان پر حملے کے لئے) بعض ملکوں مثلاً روس، جرمنی، فرانس اور امریکہ کو ترکی کی حمایت پر آمادہ کیا جائے۔ اس ضمن میں کراچی میں اکابرین تحریک کی ایک مجلس مشاورت ہوئی۔ مولانا محمد علی کا خیال تھا کہ امریکہ ترکی کا ساتھ دے گا کیونکہ وہ خود بھی برطانیہ کا غلام رو چکا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا خیال تھا کہ امریکہ غیر جانبدار رہے گا لیکن شیخ الہند کا موقف تھا کہ امریکہ برطانیہ کی کھلے بندوں مدد کرے گا۔ چنانچہ یہی ہوا بھی۔ تاہم امریکہ اور فرانس کے انصاف پسند لوگوں نے برطانیہ کے خلاف احتجاج کیا اور تحریک کا نشان کسی حد تک کامیاب رہا۔

روس میں بھی تحریک کا مشن حکومت کی سطح پر ناکام رہا۔ زار نے مشن کے قائدین ڈاکٹر مرزا احمد علی اور مقرا سنگھ کی گرفتاری کا حکم دیا لیکن تاشقند کے گورنر نے جو تحریک کا ہمدرد بن گیا تھا، انہیں گرفتاری سے بچا لیا۔ اس مشن کا تذکرہ روس کے انقلابیوں نے اپنے ایک پمفلٹ میں بھی کیا تھا اور اسے مؤثر قرار دیا تھا۔ عوامی سطح پر مشن اپنے مقصد میں کامیاب رہا اور روس برطانیہ دوستی خطرے میں پڑ گئی جس کے لئے زار کو کچھ خود روس پہنچا۔ البتہ ایک دوسرا مشن جو روس کے راستے جاپان جارا تھا، زار کے ہتھے چڑھ گیا۔ یہ مشن مقرا سنگھ جو اس مشن میں بھی شامل تھے، اپنے ساتھی عبدالقادر سمیت انگریزوں کے ہوا لے کر واپس گئے۔ انگریزوں نے مقرا سنگھ کو پھانسی دے دی اور عبدالقادر کو لمبی قید کی سزا دی۔ بیرون ملک تحریک کو صرف جرمنی میں کامیابی حاصل ہوئی راجہ ہند پر تاپ نے وہاں تین سال

رہ کر یہ کارنامہ انجام دیا۔ پروفیسر برکست اللہ اور لالہ ہر دیال نے بھی ان کی اعانت کی۔ اس سلسلے میں جرمنی کے کمیشنر شمس نے بڑی مدد کی۔ وہ محاذ کے معاملے کے لئے کابل بھی گیا۔ یہ کوششیں بار آور ہوئیں اور جرمنی ترکی کی مدد کرنے اور ہندوستان کو آزاد کرانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ مٹلن ہو کر راجہ مہندر پرتاپ کابل چلے گئے جہاں مولانا سندھی بھی پہنچ گئے۔

نویں منصوبے میں حملے کے لئے راستوں کا تعین کرنا تھا۔ ایران برطانیہ کا حلیف اور ترکی کا دشمن تھا، اس لئے وہ راستہ ترک کرنا پڑا۔ دوسرا راستہ افغانستان کے ذریعہ تھا۔ امان اللہ خاں اور رسول اور فوجی افسروں اور قبائلی سرداروں کے اہل فیصلے سے ڈر کر حبیب اللہ خاں راستہ دینے پر آمادہ ہو گیا لیکن انگریز دوستی کا حق ادا کرنے کے لئے تجربہ پیش کی کہ ترکی فوج بعض مخصوص دروں سے گزرے۔ ہم انگریزوں سے کہہ دیں گے کہ وہاں کے قبائلی باغی ہر گئے ہیں اور ہم مجبور ہیں اس کے علاوہ سرکاری فوج جنگ میں حصہ نہ لے، البتہ رعایا رخصت کارانہ طور پر حصہ لے سکتی ہے۔ دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ فریقین میں جس کا پلہ بھاری دیکھوں گا اس کے ساتھ ہو جائوں گا۔

امان اللہ خاں اور نصر اللہ خاں نے قائدین تحریک کو سمجھایا کہ اسی پر اکتفا کر لیں۔ جب ترکی کی فوج ملک میں داخل ہو جائے گی۔ تو ہم اپنے باپ کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر لیں گے ورنہ اسے راستے سے ہٹا دیں گے۔ حملے کے لئے چار محاذ بنائے گئے۔ ہر محاذ پر ایک انقلابی کو نگران مقرر کیا گیا۔ ۱۔ مولانا محمد صادق کی نگرانی میں قلات اور مکران کے قبائل کا ترک فوج کی قیادت میں کراچی پر حملہ۔ ۲۔ حافظ تاج محمد سندھی کی نگرانی میں ترک فوج کی سربراہی میں غزنی اور قندھار کے قبائل کا کوئٹہ۔ ۳۔ ورنہ خیبر کے راستے پشاور پر مہند اور سحر قبائل کا ترک فوج کی قیادت میں حملہ۔ نگران حاجی ترنگ نئی تھے۔ ۴۔ اوگی کے محاذ پر ترکی کی فوج کا کہستانی قبائل کو لے کر حملہ، نگرانی مولانا محمد اسحاق کی تھی۔

دسویں منصوبے کا مقصد حملے اور بغاوت کی ایک تاریخ مقرر کرنا تھا۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۲ء تک نو منصوبوں کو کامیابی سے عملی جامہ پہنایا گیا اور دسویں پر عمل باقی تھا کہ جنگ عظیم چھڑ گئی۔ یہ انقلابیوں کے لئے سنہری موقع تھا۔ فوراً دیوبند میں مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ بیردنی حملہ اور اندرونی بغاوت ۱۹ فروری ۱۹۱۲ء کو ہو۔ مجلس شوریٰ نے اس کی اطلاع تمام شاخوں کو دے دی اور کہا کہ بغاوت کے لئے تیار رہیں لیکن حملے کی تاریخ کے ستمی فیصلے کے لئے دوسری اطلاع کا انتظار کریں۔ شیخ الہند کو ایک وثیقہ لکھ کر دیا گیا جس پر مجلس شوریٰ کے سارے اراکین نے دستخط کیے۔ طے کیا گیا کہ شیخ الہند غازی وزیر پاشا سے بالمشافہ مل کر مجوزہ تاریخ کی منظوری لیں اور تحریک اور حکومت کے مابین

نیز حکومت ترکی اور حکومت افغانستان کے درمیان تحریری معاہدہ کرائیں۔ اس دوسرے معاہدے کے سلسلے میں انہیں انور پاشا کی تحریر سے کہ افغانستان جاننا تھا۔ اور اس پر عبیب اللہ خاں سے دستخط لے کر واپس انور پاشا کو پہنچانا تھا۔

شیخ الہند نے اپنی جائداد شرعی قانونِ دراشت کے مطابق تقسیم کر دی اور حج کا ارادہ ظاہر کر کے روانہ ہو گئے۔ حکومت نے انہیں دہلی میں گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔

لیکن ان کے معتقدین کا جہوم و یکہ کہ ہمیں میں گرفتار کرنے کی عٹانی۔ ڈاکٹر انصاری نے شفیق پولیس میں اپنے آدمیوں کی مدد سے اس تار کو ہوم سیکرٹری کے دفتر میں رکھ دیا جو اس مقصد سے گورنر جنرل کی طرف سے ہمیں کے گورنر کو بھیجا جا رہا تھا۔ یہ تار اس وقت ملا جب آپ جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ چنانچہ عدن کے گورنر کو روانہ کر دیا گیا۔ لیکن وہاں بھی انقلابیوں نے بروقت پہنچنے نہ دیا، اور آپ بخیر وعافیت مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اس وقت جہاز ترکی کے زیر حکومت تھا۔ وہاں کے گورنر غالب پاشا، جو انور پاشا کی جنگی کمیٹی کے سیکرٹری بھی تھے، انقلابی تحریک کے سہرا تھے۔ شیخ الہند نے ان سے دو تحریریں لیں ایک میں بہادری کی تعریف تھی۔ اسے چھپوا کر ہندوستان اور افغانستان میں تقسیم کرنا تھا۔ دوسری تحریر حکومت افغانستان کے نام تھی کہ شیخ الہند جو کچھ بھی کہیں گے اسے ہماری تائید حاصل ہے۔ انگریزوں نے اس پہلی تحریر کو غالب نامہ کہا اور اسی کی بنا پر بعد میں غالب پاشا کو گرفتار کر کے جنگی قیدی رکھا۔ انہوں نے ہی اپنی اسی تحریر کا اقرار کیا۔ دوسری کا نام تک نہ لیا۔

شیخ الہند نے غالب نامہ مولانا محمد میاں کے حوالے کیا کہ اسے ہندوستان اور افغانستان سے بائیں۔ وہ ہندوستان پہنچے تو سی آئی ڈی پیچھے لگ گئی۔ چنانچہ افغانستان چلے گئے اور اس کی اشاعت کی۔ اسی اثنا میں ریشمی رومال "پکڑا گیا اور" غالب نامہ "بیکار ہو کر رہ گیا۔ غالب پاشا کی دوسری تحریر بھی رائیگاں گئی، وہ ریشمی رومال کے پکڑے جانے کے بعد افغانستان پہنچی، البتہ اس سے افسروں اور قبائلی سرداروں میں نیا عزم پیدا ہوا اور امان اللہ خاں انقلاب لانے میں کامیاب ہوئے۔

شیخ الہند اور انور پاشا کی ملاقات مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جہاں پاشا ان کے ساتھ تھے۔ انور پاشا نے پہلے ان سے تحریر کروہ دونوں معاہدے لے لئے اور واپس چلے گئے۔ ایک ماہ بعد یہ معاہدے شیخ الہند کو مدینہ منورہ کے گورنر نے بلا کر دئے۔ ان پر انور پاشا کے دستخط ثبت تھے اور محلے اور بغاوت کی منظوری بھی تھی۔ دونوں معاہدوں کا مجموعی نام انور نامہ رکھا گیا۔ شیخ الہند نے تحریک اور حکومت ترکی کے معاہدے کو اپنے پاس رکھ لیا اور افغانستان ترکی معاہدہ مولانا ہادی حسن کو دے کر انہیں بھیج دیا

کہ اسے افغانستان پہنچا دیا جائے۔

اس دستاویز کو بھجوانے میں شیخ الہندؒ نے غیر معمولی حسن تدبیر سے کام لیا۔ خاص طور سے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا۔ اس کے تختوں کے درمیان اُسے اس طرح چھپایا کہ نظر نہ آتا تھا۔ ساتھ ہی بمبئی کے ایک رکن کو پیغام بھجوایا کہ وہ عرشہ جہان پر ہی مولانا ہادی حسن سے صندوق لے لیں اور اُسے فلاں پتے پر پارسل کر دیں۔ جوں ہی جہان بمبئی کی بندرگاہ پر ٹنگر انداز ہوا، وہ رکن عرشہ جہان پر گئے اور اسے قلیوں سے اٹھوا کر باہر لے گئے۔ اسی وقت اُسے مظفرنگر میں حاجی محمد نبی کے پتے پر پارسل کروا دیا۔ سی آئی ڈی نے مولانا ہادی حسن کی تلاشی لی اور انہیں مشتبہ قرار دے کر نئی تال بھجوا دیا جہاں انہیں محالاًت میں بند کر دیا گیا۔

حاجی محمد نبی کو شیخ الہندؒ نے ساری بات کہلو بھیجی تھی۔ انہوں نے معاہدے کو اپنے پاس رکھا۔ کچھ عرصے بعد مولانا ہادی حسن رہا ہو کر آئے۔ انہوں نے علیہ بدل کر اپنا نام ظفر احمد رکھا اور معاہدے کو افغانستان پہنچا دیا۔ حبیب اللہ خاں نے اپنے دونوں بیٹوں امان اللہ خاں اور نصر اللہ خاں اور سول فوجی انسروں اور قبائلی سرداروں کو آتش زیر پا دیکھا تو طوعاً و کرہاً اس کی منظوری دے دی۔ مولانا عبید اللہ سندھی اور نصر اللہ خاں نے ایک ماہر کاریگر سے معاہدے کی ساری عبارت جو عربی زبان میں تھی ایک ریشی رومال پر کڑھوائی۔ اس میں حبیب اللہ خاں اور اس کے تینوں بیٹوں کے دستخط بھی آگئے۔ رومال کا رنگ زرد تھا اس کی لمبائی چوڑائی ایک مربع گز تھی اس پر زرد رنگ سے چاروں کے دستخط دوبارہ کروائے گئے۔ اس کے بعد رومال پشاور بھجوا یا گیا۔ یہ فرض شیخ عبدالحق نے انجام دیا جو بنارس کے نو مسلم گریجویٹ تھے۔ اور افغانستان، ہندوستان کے درمیان کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ اسی تجارت کی آڑ میں پیغام رسانی کرتے تھے۔ انہوں نے اسی قسم کے پانچ رومال لئے اور ریشی رومال کو ان میں ملا دیا۔ پروگرام یہ تھا کہ رومال حیدرآباد میں شیخ عبد الرحیم کو پہنچایا جائے گا جو اُسے لے کر حج کو جائیں گے اور شیخ الہندؒ کے حوالے کریں گے۔ موصوفہ اسے اندر پاشا کو لے جا کر دیں گے، اور پروگرام کے مطابق ترکی، افغانستان کے راستے ۱۹ فروری، ۱۹۱۱ء کو ہندوستان پر حملہ کر دے گا۔

شیخ عبدالحق نے یہ امانت پشاور میں حق نواز خاں کو راستہ نوبجے پہنچائی۔ انہوں نے اسے صبح چار بجے ایک خاص آدمی کے ہاتھ بھاولپور کے مقام دین پور میں سجادہ نشین خواجہ غلام محمد کو بھجوا دیا۔ نماز صبح سے پہلے فوج نے حق نواز خاں کے گھر پر چھاپہ مارا اور انہیں گرفتار کر لیا۔ ان کی رہائی ایک ماہ بعد ہوئی۔ خواجہ غلام محمد کو رومال اگلے دن صبح ہی انہوں نے اسی وقت اسے ایک آدمی کے

ہاتھ حیدر آباد چلتا گیا۔ ان کے گھر پر بھی فوج نے شام کے چار بجے چھاپہ مارا اور انہیں گرفتار کر لیا۔ پارانہ تک قید رہے۔

رشتی رومال دوسرے دن دوپہر کو حیدر آباد میں شیخ عبدالرحیم کو ملا۔ اور عشاء کے وقت جب وہ اسے گڈی میں سی رہے تھے، فوج کے ہتھے پڑھ گیا۔

اس دستاویز کے ہاتھ آجانبہ سے انگریزوں کو مجاہدین اور حکومت ترکی کے تفصیلی عزائم کا ثبوت مل گیا۔ انہوں نے داخلی طور پر یہ فوری قدم اٹھایا کہ ہر اس مقام پر فوج بھیج دی جہاں بغاوت کا خطرہ تھا۔ اور شمال مغربی سرحد پر فوج ڈوگنی کر دی۔ اس کے ساتھ ہی ملک بھر میں انقلابیوں کی پکڑ و سگر شروع ہو گئی جس شخص پر بھی ذرا سا شبہ گزرا، اُسے گرفتار کر لیا۔ گرفتار شدگان پر طرح طرح کی سختیاں کیں۔ دوپہار کے سوا سب ہی ثابت قدم رہے۔ تاہم تحریک دمن ہو گئی۔

خارجی طور پر سب سے پہلے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور ترکی کی ہر سرحد پر محاذ کھول دیے۔ ایران میں فوج داخل کر کے ترکی اور افغانستان کے درمیان حیدر بندہ کر دی۔ سب سے بڑا انتقام یہ لیا کہ شریف کو آکر کار بنا کر اُس سے ترکی کے خلاف بغاوت کرادی۔ عرب قومیت کا پُر فریب اور تباہ کن نعرہ یہیں سے بلند ہوا اس کے علاوہ عرب اور ہندوستان کے زر خرید مولویوں سے ترکوں کے خلاف فتوے دلوائے۔

جنگ ختم ہو چکی تھی اور انگریزوں کو موقع مل گیا تھا کہ افغانستان کو دبا لیں لیکن تحریک کے ہوکامکن وہاں گرفتاری سے بچ رہے تھے، انہوں نے قبائلیوں کی بڑی راہنمائی کی۔ حاجی ترنگ زئی نے قبائلیوں کو جمع کر کے تین سال تک انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ قیامت اور اس کے قبائل سنہ دو سال تک مقابلہ کیا۔ امان اللہ خان نے کوہاٹ تک قبضہ کر لیا تھا لیکن انگریزوں سے صلح ہو گئی اور افغانستان کی مکمل آزادی اور خود مختاری تسلیم کر لی گئی۔

شیخ الہند کو مکہ معظمہ میں گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر مصر کی فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا، اور پھر ملکی قیدی بنا کر اٹلی بھیج دیا گیا۔ جنگ ختم ہوئی تو ہندوستان آئے کچھ عرصے خلافت تحریک میں کام کیا اور علّت فیائی۔۔۔

اپنی تجارت کے فروغ کیلئے الحق میں اشتہار دیں